قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ حسین منی وانا من الحسین

سنہ ۱۹۱۵

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

گلگونہ شہادت

یعنی سلسلہ برکات محرم فنڈ کا چھٹا رسالہ

مؤلفہ

عالیجناب افسر الشعراء آغا شاعر صاحب قزلباش دہلوی الملقب بہ
حماد اہلبیت علیہم السلام

سید صغیر حسن شمس زیدی الواسطی نے مطبع یوسفی دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

مقاصد برکات محرّم فنڈ

(۱) مختلف رسالے بحمایت عزاداری امام حسین علیہ السلام مسلمانوں میں مفت تقسیم کرنا۔
(۲) اُن اعتراضات کا مہذّب طریقے سے دفاع جو عزاداری پر کئے جاتے ہیں۔
(۳) بوقت ضرورت و مصلحت کسی موقت الشیوع رسالہ کا اجرا جو ہر گوشۂ ملک کی عزاداری کی پوری کیفیت و دیگر امور متعلّقہ "برکات محرّم فنڈ" شائع کیا کرے۔

ضروری ہدایتیں

(۱) چونکہ ہر منصف مزاج مسلمان سیّد الشہدا علیہ السلام سے ہمدردی رکھنے پر مجبور و مجبول ہی اس لئے یہ مسلمانوں کا "مشترکہ فنڈ" ہے۔
(۲) ہر مسلمان پر اسکی حمایت ایسی ہی لازم ہے جیسے دیگر دینی امور کی۔
(۳) ہر وہ مسلمان جو عشرۂ محرّم میں سیّد الشہداء کے نام پر خرچ کرتا ہے اُسی میں سے اس فنڈ کے لئے بھی کوئی حصہ تجویز کرے کیونکہ یہ سیّد الشہدا علیہ السلام کی ایک زبردست اعانت ہے۔
(۴) ہر مسلمان اسکا ممبر ہو سکتا ہے۔
(۵) اس فنڈ میں شرکت کرنیوالے حضرات کی تقسیم دو طرح پر ہوگی۔
(الف) ایک عام معاونین جو یکمشت چندہ کسی مقدار میں سالانہ عطا فرمائینگے۔
(ب) دوسرے وہ حضرات جو ایک روپیہ ماہوار کے حساب سے چندہ عنایت فرمائینگے اور ممبران برکات محرّم فنڈ کے نام سے موسوم ہونگے۔

راقم آثم سیّد صغیر حسن شمس زیدی الواسطی ایڈیٹر اخبار اثنا عشری منصرم برکات محرّم فنڈ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم والصلوٰۃ والسلام علیٰ آلہ الطیبین الطاہرین ؕ

اے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والو اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والو! مجھے صرف تم سے کلام کی ضرورت ہی۔ دنیا میں مذاہب کی گنتی نہیں۔ ہر فرقے میں فلسفی۔ نیچری! ور دہریے اپنے اپنے خیال کی رَو میں بہے چلے جاتے ہیں۔ بظاہر روشنی۔ روشنی۔ سے آنکھیں چُندھیا رہی ہیں۔ اور ہر شخص اپنا کعبہ اپنا قبلہ اپنا خدا اپنا پیشوا اور پیر و مرشد یا اپنا نجات دہندہ کسی نہ کسی ذی روح غیر ذی روح مادی یا غیر مادی شئے کو بناتا ہی۔ اور اُسی سے اپنی رستگاری امن و امان یا شانتی کا خواہاں ہی۔ لیکن میرا روئے سخن صرف اہل توحید کی طرف ہے۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اُس سے محض دعویداران اسلام مراد ہیں۔ میں اس وقت انہیں کو مُخاطب صحیح بنانا چاہتا ہوں جو کلام پاک یعنی قرآن مجید ہی پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اس امر کے قائل ہیں کہ حسبنا کتاب اللہ۔ بس میں انہیں مُوحّد حضرات۔ انہیں صاحبان توحید اور کھرے کھرے مسلمانوں سے اظہار تکلم کی ضرورت رکھتا ہوں۔

بھائیو! ہمارا اور تمہارا خدا رحمان بھی ہی اور رحیم بھی۔ یا دوسرے لفظوں میں ہمارا وحدہ لاشریک خدا رحم۔ الطاف اور محبت کو دوست رکھتا ہی۔

ظلم وستم اور جور و تعدی اُس کی ضد ہے۔ ظالم۔ اظلم اور ظلم کرنے والا اُسکا دشمن ہے دشمن۔ اس لیئے میں بھی موحّدین برحق جناب ابراہیم اور جناب اسمٰعیل علےٰ نبیّنا کی طرح دعا کرتا ہوں "ربّنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریّتنا امّۃً مسلمۃً لك وارنا مناسکنا وتب علینا انّك انت التوّاب الرّحیم ٥" اور پناہ مانگتا ہوں خداوند عالم سے اُن ظالموں کی نسبت جن سے وہ ناخوش ہوا۔ جنہوں نے اپنے تیرہ و تار مظالم سے زمین کو فتنہ و فساد سے بھر دیا۔ جن کے لیئے بیزاری چاہی۔ خدا کے خاص بندے۔ لاثانی مُوَحِّد۔ سیّد مظلوم۔ قتیل فُرات۔ مہمان کربلا۔ سیّدی و مولائی امام حسین علیہ السّلام روحی لہ الفدا نے نوک نیزہ پر اس آیت کو تلاوت فرماکر "وسیعلمون الّذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون ٥" آہ! مگر کمال حیرت کا مقام ہے۔ اس روشن زمانے میں بھی بعض ملمّع نما مسلمان ظالموں کو دوست رکھتے ہیں۔ مظلموں سے ہمدردی کرنے کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اور دشمنان خدا و رسول کو باوجود قرآن پاک پر ادعائے نظر کے بھی بُرا کہنا اپنا نقص ایمان سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہکر ٹال دیتے ہیں کہ "خیر اگر کسی نے بُرا کیا تو اپنے لیئے۔ ہمیں اس کو بُرا کہنے یا بُرا سمجھنے سے کیا علاقہ"! استغفراللہ من ذٰلك۔ تو کیا وہ لوگ نصارےٰ ہیں جن کے ہاں ایک گال پر طمانچہ کھانے کے بعد دوسرا گال پیش کر دینے کی ضرورت ہے۔ لا واللہ۔ ہمارا اسلام ناسخ ادیان ہے۔ تمام شریعتیں ناقص تھیں جب اسلام وارد ہوا تو اس نے ہم کو قصاص کا بھی بیّن حکم دیا۔ پھر یہ کس طرح سے ہوسکتا ہے کہ ہم موحّد ہوکر۔ ہم مسلم ہوکر ایک بُری چیز کو اچھا کہیں۔ ایک حق کو باطل کے ساتھ ملائیں۔ جبکہ قرآن پاک ہم کو صریحًا حکم دے رہا ہے کہ "ولا تلبسوا الحقّ بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون ٥" بیشک جو جیسا

کریگا ویسا پائیگا۔ لیکن انسان کی فطرت میں ظالم سے نفرت اور مظلوم سے ہمدردی کرنا ودیعت ہوا ہے۔ ضد۔ تعصب۔ ہٹ دھرمی۔ خواہ کسی طاقت سے کیجائے لیکن دلوں کے اندر کام کرنے والی چیز اصلیت کا اثر دکھائے بغیر کبھی نہیں رہ سکتی۔ معاذاللہ تم کیسے مسلمان ہو۔ خدا کے پوجنے ہوئے دین پر ایمان لائے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہو۔ فرقانِ حمید قرآن مجید تیرہ سو برس سے تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ پر رات دن تمہاری نظریں پڑتی ہیں۔ پنجگانہ نماز اور روزہ تمہارے ستون دین ہیں۔ اور پھر تم قاتلان حسین علیہ السلام سے بیزاری نہیں چاہتے۔ بلکہ اس جانکاہ واقعہ کا ذکر کرنا۔ آل رسول کی تعزیت کے لئے مجالس کا انعقاد۔ مظلوموں اور بیکسوں کی یادگار تازہ کرنے کو ہر سال بدعات محرم کے نام سے پکارتے ہو۔ افسوس صد افسوس ع برایں عقل و دانش بباید گریست۔

حسینؑ امام کون تھے؟

آہ۔ آہ! اللہ اکبر جل جلالہ۔ کس قدر حیرت اور شرم سے اس سوال کا جواب لکھنے کے لئے قلم اُٹھایا جاتا ہے۔ اے مشت خاک مخلوق! ای خود غرض غفلت شعار انسان! اگر تو مسلم ہی اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے تو یقیناً تکلیف شرعی بھی تجھ پر وارد ہوگی۔ پنجگانہ نماز کو تو فرض سمجھتا ہوگا۔ اذان کی آواز پر تو مسجد کی طرف یہ کہتا ہوا قدم بھی اُٹھاتا ہوگا کہ لبیک یارسول اللہ۔ اس پر بھی کیا تجھے بتانے کی ضرورت ہے کہ حسینؑ امام کون تھے۔ آ ادھر آ۔ تیرہ سو برس تک یہ آواز دہل سننے اور بھول جانے کے بعد

ایک کمزور و ناتوان آواز تجھے پھر بتانے کی کوشش کرتی ہے۔ بے سن۔ آہ! حسینؑ حسینؑ حسینؑ۔ ایک خاص بندہ خدا۔ حضرت محمدؐ رسول اللہ کے نواسے۔ امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کرم اللہ وجہہ کے چھوٹے بیٹے۔ صدیقہ طاہرہ معصومہ مظلومہ۔ سیدانی بی بی حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے فرزند اصغر۔ غریبوں کے سردار مظلوموں کے سرتاج۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے۔ آغوش رسول مقبول یعنی عرب کے الامین کے تربیت یافتہ۔ قرآن پاک کے ایک ایک ورق بلکہ ایک ایک لفظ اور نقطے نقطے کے لذت چشیدہ۔ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ سنہ ۴ ہجری میں آپ پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۶۱ ہجری کی دسویں محرم کو جمعہ کے دن بوقت عصر ایک شقی ازلی کے ایما اور ایک بدترین مخلوق کے ہاتھ سے مع عزیز و انصار زمین کربلا پر تین دن کے بھوکے پیاسے زخموں سے چور چور شہید ہوئے۔ لعنۃ اللہ علیٰ قوم الظالمین و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ○

اسلام اور مسلمین پر حسین علیہ السلام کا احسان

ایسا ہی دائمی اور دوامی ہے جیسا کہ جناب سرور کائنات رسول الثقلین محبوب رب العالمین حضرت ختمی مرتبت بانیٔ دین مبین کا اسلام اور کافہ مسلمین کی گردن پر ہے۔ کیونکہ واللہ یختص برحمتہ من یشاء ارشاد باریتعالیٰ شانہ ہے۔ پس چن لیا سب سے پہلے خداوند عالم نے اپنے منتخب دین کی اشاعت اور اعانت کے لئے جناب محمد مصطفےٰ روحی لہ الفدا کو اور پھر چھانٹ لیا اس ڈوبتی ہوئی کشتی کے ترانے کے لئے سلطان کربلا علیہ التحیۃ والثنا کو۔ جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہے۔ برادران اسلام! بڑے بڑے عمامے

باندھ کر شملے لٹکانے اور حلقۂ درس کی شان دکھا فقہ وحدیث کی تعلیم و تعلم کا ظاہری لام باندھنا دوسری بات ہے لمبے لمبے دامن پھیلا کر گٹے دار پیشانیوں پر بل ڈالنا اور پیچ ہیں۔ جائز و ناجائز مال ڈکار لینا اور طریقے ہیں۔ مگر سوکھے ٹکڑے کھا کر۔ نان جویں سے سیر ہو کر۔ امور دین میں ایک ساعت بھی فکر کرنا عبادت صالحین سے کم نہیں۔ یادش بخیر۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ سرکار دو جہاں حضرت رسول عربی نے جس وقت زمین عرب پر علم توحید بلند فرمایا ہے تو اس وقت بادیہ نشینان عرب کی کیا حالت تھی۔ سینکڑوں خداؤں نے خانۂ کعبہ کو گھیر لیا تھا۔ کاہن۔ نجومی۔ ساحر۔ پیشین گو۔ حکما۔ فصحا۔ دہریے۔ بت پرست یہود و نصاریٰ و گبر و ترسا۔ طرح طرح کے کمالات سے دنیا پر چھائے بیٹھے تھے۔ کفر و زندقہ کی تیرہ و تار بدلیاں چار طرف سے مخلوق عالم پر برس رہی تھیں۔ جبر و ظلم۔ فسق و فجور۔ لہو و لعب۔ قتل و غارت۔ خونریزیوں کے رنگ میں بندگان خدا پر چھاپے مار رہے تھے۔ اس وقت نور اول نے اپنا جلوہ دکھایا۔ مگر کس طرح؟ ایک حصہ عمر شریف کا ابتدا میں۔ پہاڑوں۔ صحراؤں۔ اور خارزار وادیوں میں یکہ و تنہا بسر ہوا۔ جب تبلیغ رسالت کی مصیبتیں در پیش ہوئیں تو قبائل عرب کے صدہا مصائب۔ کفار قریش کی گوناگوں اذیتیں جھیلیں۔ شکم شریف پر پتھر باندھے۔ کانٹوں سے پائے مبارک زخمی ہوئے۔ لب و دندان شریف وقف سنگ ہوئے۔ غرض گوناگوں ناقابل برداشت جبر و ظلم کے بعد اس خلق عظیم۔ استقلال مجسم۔ امین کل نے ملت بیضائے اسلام کا سنگ بنیاد ناف زمین میں قائم کیا۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد و آل محمد۔ اس طرح صفیں بندھیں اور ہر قبیلے۔ ہر گروہ میں سے افراد کھینچ کھینچ کر ایک سلسلے میں اتحاد قومی قائم ہوا۔ مسجدیں بنا ہوئیں۔ آباد ہوئیں۔ اور دار کھوا

مع الواکعین پر نہایت سختی سے عمل ہونے لگا۔ بیع و شرے کے قانون۔ ازدواج کے دستور۔ داد و ستد کے طریقے جاری ہوئے۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہر بدو عرب قریب قریب آشنا ہونے لگا۔ اخلاق محمدی کے اثرات دور و نزدیک خلائق تک پہنچے۔ سلطنتیں فقیروں کا لوہا ماننے لگیں۔ اور حق کا روشن آفتاب بلاد شام و مصر کے میناروں پر اپنی شعاعیں ڈالنے لگا۔ نبی امی قریشی و مطلبی کے صداقت انگیز جاہ و جلال۔ امیر المومنین علیؑ ولی کی تلوار اور خدیجۃ الکبریٰ کی دولت مے متفقہ کوششوں سے چار دنا چار دلوں کو مسخر کیا۔ اور اشھد ان لا الٰہ الا اللہ محمداً رسول اللہ کی آوازیں آسمانوں سے ٹکرانے لگیں۔ مگر افسوس! اس وقت بھی مسلمانوں کے دو فرقے تھے۔ ایک مومنین اور دوسرا منافقین مومنین وہ تھے جو خالصاً للہ مطیع اسلام ہوئے۔ اور واحد خدا اور اس کے رسول پر صمیم قلب سے ایمان لائے۔ منافقین وہ تھے جنہیں ضرورت زمانہ جدید دین کے روز افزوں فروغ اور اپنی کم مائیگی نے لاچار کر دیا۔ اور وہ دلوں میں کینہ رکھکر تھوڑے سے وقت کے لئے بظاہر مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ ابو جہل۔ ابو لہب وغیرہ کے قدم بقدم بنی امیہ بھی ایک سخت کینہ ور جابر و ظالم قبیلے کا نام تھا۔ اسکے افراد بھی منافقین کی فہرست میں شامل ہوئے۔ اور یہی وہ مفتری متنفی شوم و بدترین گروہ تھا جس کا ایک ایک متنفس ہر وقت اور ہر زمانے میں تخریب اسلام کے درپے رہا۔ اور خاصان خدا کو سب سے زیادہ اسی بدبخت قبیلے نے نقصان پہنچایا۔ خصوصاً خاندان بنی ہاشم کے ساتھ اس کے مورث اعلیٰ کی پرانی اور بہت پرانی عداوت قلبی تھی جس کو حضرت ختمی مرتبت کی مبعوث برسالت ہونے اور ان دونی مرتبت حاصل کرنے نے اور زیادہ مستحکم کر دیا۔

اسلام کی روز افزوں ترقی بنی المیّہ کے دلوں میں بارود کا کام کرتی رہی۔ اور اسی لئے ہر زمانے میں وہ اپنی خفیہ ریشہ دوانیوں اور فتنہ سازیوں میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ علیؑ کی تلوار سے جتنے ناکثین۔ منافقین اور مشرکین کی گردنیں کاٹی گئیں اسکی کدورت جنگ بدر و احد میں صاف ظاہر ہوگئی۔ خیبر و خندق کی ہزیمتیں اور فتح مکہ رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ اور بنی امیّہ اپنے بزرگوں کے قصاص کا پہلو وقتاً فوقتاً۔ ظاہر و باطن۔ ہر زمانے میں کسی نہ کسی طرح بانیان اسلام یا خاندان رسالت سے لیتے رہے۔ یہاں تک کہ آفتاب نبوت دفعتہً غروب ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ٥ رضے بقضائہ وتسلیما لامرہ۔ گویا ادب و اخلاق ابھی ناتمام ہی تھا۔ اسلام ابھی دایۂ قابلیت کے گہوارے ہی میں تھا جو شمع نبوّت گل ہوگئی۔ یا دوسرے لفظوں میں اسلام ایک سیلاب عظیم تھا جو جزیرہ نمائے عرب کے اس سرے سے اس سرے تک پھیل کر نکل گیا۔ اور حضور سردار کائنات نے وفات پائی۔ آہ! بس مشرکین پھر اپنی اپنی جگہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ دشمنان خدا و رسول جو ایک عرصے سے وقت کے منتظر تھے پھر سنبھل بیٹھے۔ منافقین اپنے دین آبائی کی طرف پلٹنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ خدا کے رسول کو بستر پر چھوڑ کر مدعیان اسلام نیابت وخلافت کی کمیٹیاں کرنے لگے۔ نبی امّی کے تجہیز و تکفین کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ کہ مسند خلافت اور نگ امارت سے بدل گئی۔ اور انصار و مہاجرین نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں فوراً حقیقی اسلام کے گلے پر چھری پھیر دی۔ خاندان رسالت۔ اہلبیت رسول۔ اپنے ارث اور حق سے محروم کیے گئے۔ چنانچہ اسی واقعہ کو صوفیائے کرام کے راس و رئیس مولانا جامی اس طرح نقل کرتے ہیں ٥

چوں صحابہ حب دنیا داشتند * مصطفےٰ را بے کفن بگزاشتند
غرض حضور سرور کائنات کا سایہ سر سے اُٹھتے ہی دنیائے اسلام میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔ عباد۔ زہاد۔ اور خداشناس لوگ کشیدہ ہونے لگے۔ خاصانِ حق گوشہ نشین ہوئے۔ فیوض نامتناہی۔ انوار الٰہی یعنی علوم ظاہر و باطن کے خزانے صدور پاک و پاکیزہ رو بہ خلوت ہوئے۔ اور جہل و ظلم۔ کذب و ریا۔ کفر و زندقہ نے پھر اُن کی جگہ عود کرنا شروع کر دیا۔ کتاب خدا پس پشت ڈالی گئی۔ "انی تارك فیكم الثقلین كتاب الله و عترتی" کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ اور بظاہر دین و شریعت مطہرہ کے پردے میں ایک من گھڑت اور من مانی چیز پر کھلم کھلا عمل درآمد ہونے لگا۔ گویا "فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم" انہی سے عبارت تھی۔ قریش میں سے بنی ہاشم درماندہ ہوئے۔ خفیف کئے جانے لگے۔ خاندان رسالت کے حقوق پامال ہوئے ان کے مقابل میں غیروں کو عزتیں ملیں۔ ناکسوں کو عہدے دلائے گئے۔ اور حق داروں کا حق غصب کر کے نااہل دامن دولت سے وابستہ ہو گئے۔ منبر رسول پر جہلا کے اجلاس ہونے لگے۔ مسجدیں شرابِ نبیذ کے پینے والوں کا مسکن بنیں غرض رسول کا ابھی کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا جو شریعت محمدی کے جوف میں بے دینی نے حلول کیا۔ اور شائستگی اور اخلاق کا پیرہن پہنکر درندے اور بھیڑیئے مخلوق الٰہی کو پارہ پارہ کرنے لگے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔
کیوں مسلمانو! حسین علیہ السلام کی اس وقت کیا حالت ہوگی۔ آہ۔ آہ وہ کمال حیرت۔ استعجاب۔ اور انتہائے افسوس سے اس تغیر عجیب کو دیکھتے تھے۔ بس یہ عالم تھا جب حسینؑ امام نے اپنے نانا کی امت کو ان کی وفات کے چند روز ہی بعد ایسا سرکش۔ ناقص العہد اور نافرمان پایا اور وہ اسلام کو ایک یتیم کی

حالت سے دیکھکر دل ہی دل میں افسوس کرنے لگے۔

ابتدائے مصائب

نانا کی مفارقت کا غم ابھی کم نہ ہوا تھا حسنین علیہم السلام اور آل رسول نے ابھی ملبوس تعزیت اُتارا بھی نہیں تھا جو دنیا اندھیر ہو گئی۔ زمانہ منقلب ہو گیا۔ وہی لوگ جو کل اپنے سلامی تھے۔ غلاموں کی طرح کمر باندھے ہر وقت۔ سید۔ شہزادہ۔ سرکار۔ مولا۔ کہتے ہاتھوں چھاؤں کرتے پھرتے تھے آج گوشۂ کلاہ کج کئے۔ عماموں کے شملے لٹکائے تلواریں کمر سے لگائے۔ حاکمانہ وضع میں پھرتے نظر آئے۔ واللہ چشم عبرت سے خون ٹپکنے لگا۔ ایسے کور نمک دیکھے کہاں ہیں۔ ایسے محسن فراموش۔ خدا پیدا نہ کرے حسینؑ چپ تھے۔ اور حق حیران ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تھے۔

جناب سیدہ کے ساتھ امت محمدی کا سلوک

سب سے پہلا ظلم جو کھُلم کھلا آل رسول پر کیا گیا وہ رسولؐ کی وفات سے چند ہی روز بعد کا واقعہ ہے۔ یعنی حسینؑ مظلوم کیا دیکھتے ہیں کہ ایک روز صبح ہی صبح خانۂ رسول کو چند اشرار امت نے آ کے گھیر لیا۔ وہ خانۂ رسول جہاں فرشتے آ کر اذن دخل مانگتے تھے۔ جہاں نزول وحی ہوتا تھا جس جگہ ملائکہ کی آمد و رفت تھی۔ اب وہی دشمنان دین کا مرکز ہی جس سے بار بار یہ آوازیں بلند ہیں کہ یہاں خلاف قانون کیوں مجمع رہتا ہے۔ طلحہ و زبیر مخالفین گورنمنٹ جدید یہاں کیوں آ کر مشورہ کرتے ہیں؟ خبردار اگر ایسا ہوا تو قرار واقعی سزا دی جائیگی۔ معصومہ خود در دولت پر تشریف لے گئیں اور فرمایا۔ اللہ اکبر! تم اور ہم کو اس طرح دھمکیاں دیتے ہو۔ جاؤ پلٹ جاؤ۔ شرم کرو۔ یہاں اہلبیت رسول ہیں۔ جن کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔ یہاں خلیفۃ اللہ امیرالمومنین علیؑ مرتضےٰ نفس رسول ہیں۔ یہاں ریحان پیغمبر آخرالزماں حسنینؑ موجود ہیں۔ آہ۔ آہ۔ جواب

دیا جاتا ہے کسی کی کوئی پروا نہیں۔ مجمع برطرف کرو۔ باہر نکلو۔ اور معاً مکان کا دروازہ اس معصومہ۔ صدیقہ۔ طاہرہ۔ مظلومہ۔ بے پدر و مادر پر گرا دیا جاتا ہے۔ کیوں برادران اسلام! کیا اپنے دین کے بزرگوں کی عظمت ایسی ہی ہوتی ہے کیا ایسے ہی دو شمندران اسلام لائق تقلید و قابل تحسین ہیں۔ ہائے افسوس! نصاریٰ تو حضرت عیسیٰ مریم کے گدھے کی سم کی خاک کو سرمہ بنائیں۔ از روئے عظمت آنکھوں میں جگہ دیں لکڑی۔ مٹی۔ لوہے۔ پیتل یا سونے کی صلیب کو ہر وقت اپنے سینے پر رکھیں اور امت محمدی کے افراد اسی رسول کی پارہ جگر صاحبزادی کا یہ احترام کریں کہ انکو سخت و سست کہیں۔ اُن پر دروازہ گرا دیں۔ اور اسکی آل امجاد کو سخت سے سخت تکلیف پہنچانے کی دھمکی دیں۔ سبحان اللہ! کون فاطمہ۔ کون زہرا۔ وہی جسے رسول نے سیدۃ النساء العالمین فرمایا۔ جس کے لئے بضعۃ منی ارشاد ہوا جس کی خوشی رسول کی خوشی خدا کی خوشنودی۔ اور جسکا رنج دینا رسول کا ناخوش کرنا اور خدا کو غضبناک کرنا فرمایا گیا ہو۔ آہ حسین مظلوم حیران و ششدر ہو گئے۔ جبر پہ صبر کیا۔ اور غالباً دل میں یہ کہا ہوگا۔ یارب العالمین! یہ کیا وقت آگیا۔ الٰہی اب اس دین کا کیا حشر ہوگا؟

سادات کا گذارہ بھی چھن جاتا ہے

سال بھر کے تین سو ساٹھ دن مشہور ہیں۔ مگر بعد وفات سرور اکرم سورج نے ابھی چالیس پچاس ہی دفعہ عالم کو نور دیا ہوگا کہ عالم اسلام میں یہ تیرگی پھیل گئی جامۂ مروت چاک ہو گیا۔ مقبول بارگاہ نبی کے نواسے ابھی نانا کو اچھی طرح رونے بھی نہ پائے تھے۔ آل رسول ابھی اپنے گزشتہ جاہ و جلال کو بھولنے بھی نہ پائے تھے جو آمدنی وقفہ سے بھی محروم کئے جانے کا پروانہ مل گیا۔ یعنی وہ اراضی جو خدا و رسول کا عطیہ تھا اور جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا اور آل رسول کے

گذارے کا سامان تھا مسلمانوں کے حاکم وقت نے بعض مصالح ملکی کی وجہ سے اس کی ضبطی کا حکم نافذ فرمایا۔ آہ! یہ گویا غریبوں۔ فاقہ کشوں کا پیٹ کاٹنا مقصود تھا۔ اس لئے بغرض ثبوت وہی خود جناب سیدہ چادر پیچ سر پر ڈال کر ترساں و لرزاں مسجد نبوی میں تشریف لے گئیں۔ رسول کا دستخط شدہ وثیقہ دکھایا۔ اور اپنا حق ثابت کیا۔ عدالت سے گواہ طلب ہوئے۔ حضرت علیؑ مومن کامل اور ایمان کل مع حسنین علیہم السلام معصومہ کی طرف سے شہادت کے لئے پیش ہوئے۔ فرمایئے اور اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ کاغذ چاک کر دیا گیا۔ اور وہ معصومہ۔ مظلومہ۔ درد رسیدہ۔ فاقہ کش۔ پدر مُردہ۔ بچوں کا ہاتھ پکڑے زار زار روتی ہوئی بی نیل مرام واپس ہوئیں۔ واللہ کس قدر افسوس اور شرم کا مقام ہے۔ کیسی صریح حق تلفی ہے جس کا جواب اسلامی خدائی میں سے ایک متنفس بھی نہیں دے سکتا

مادر گرامی کی وفات

ظالموں کے کیفر کردار سے بتنگ معصومہ و مظلومہ۔ مقدس باپ کی امت جابر و گستاخ سے ناخوش۔ عفیفہ۔ مریم و حوا کی خوزادی۔ ہاجرہ و سارا کی سردار۔ فاقہ کش۔ سیدہ فاطمہ زہرا بعد وفات حضرت ختمی مرتبت کل پچھتر دن اس عالم رستخیز میں زندہ رہیں اور جب تک زندہ رہیں جور اعدا سے اس درجہ حزین و ملول رہیں کہ اس روح فرسا واقعہ کے بعد رات دن روتی تھیں اور اس درجہ روتی تھیں کہ مدینے والے نہ دن کو کھانا کھا سکتے تھے نہ رات کو آرام کر سکتے تھے۔ اس لئے جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے انہوں نے درخواست کی کہ یا حضرت فاطمہؑ کے لئے کوئی مقام رونے کے لئے تجویز کیا جائے جو آبادی سے دور ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی حسینؑ امام کی دکھیا مادر گرامی کے ناگزیر مصائب کی

روداد خاص انہیں کے الفاظ میں عربی کے ایک شعر سے ظاہر ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ "اے بابا! آپ کے بعد ظالموں نے یعنی اشرار امت نے مجھ پر وہ ظلم کیے وہ ظلم کیے کہ اگر وہ مصائب دنوں پر پڑتے تو راتوں کی طرح کالے ہو جاتے"۔ اللہ اکبر! آخر انہیں غموں میں گھل گھل کر فاطمہ بنت رسول الثقلین خانہ نشین ہوئیں۔ مرتے دم تک کسی غیر سے بات نہ کی۔ اور اسی کدو کاوش میں ایک شب کو انتقال کیا۔ سردار زناں کا جنازہ بھی رات ہی کو اٹھا۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوا۔ یہ سانحہ بھی حسین علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ اور خاموش رہے۔ اب گویا حسنین علیہما السلام بن ماں کے بچے رہ گئے۔ اور علی مرتضےٰ سے زمانے نے بالکل آنکھیں ہی پھیر لیں۔

شام کے گورنر کا خروج اور ابو الائمہ کا انتقال

یہ وہ وقت تھا کہ خلافت الٰہیہ اپنے مرکز اصلی پر رجوع کر چکی تھی۔ گو دین میں صدہا بدعتیں اور ہزار ہا رخنے پڑ چکے تھے۔ شارع اسلام نے جن جن ملاعنہ اور اشرار کو نفرت کی نظر سے دیکھا تھا اُن کے ناجائز جانشین انہیں کو بڑے بڑے اختیارات دے چکے تھے۔ اور وہی اب اعیان سلطنت کہلاتے تھے۔ رشتے کُنبے کا پاس ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت۔ کے پاس ہی رکھا ہوا تھا۔ خاندان رسالت۔ عترت اطہار۔ اور ان کے دوستدار صدہا مصائب اور تکالیف کا شکار ہو کر نان شبینہ کو محتاج تھے۔ مگر دفعۃً زمانے نے تھوڑی دیر کے لئے پھر رخ بدلا۔ اور حکومت حقہ جناب امیر المومنین۔ نفس رسول خدا۔ حضرت علی علیہ السلام کے زیر نگین پھر قائم ہوئی۔ گویا حق نے اپنے اصلی مرکز پر پھر رجوع کیا۔ یا دوسری طرح جس چیز کی روح اسلام کے لئے بعد وفات سرور کائنات ضرورت تھی وہ قسمت سے اب ملی۔ کوفہ پائے تخت بنا۔ اور

جا بجا ہر نقص کی جانچ پڑتال شروع ہوئی۔ خائن۔ بے ایمان۔ خدا ناترس ظالم ترین مردم۔ جو رعایا پر حاکم ہو کر جا بجا شریعت محمدی کو اپنی بداعمالیوں سے بدنام کر رہے تھے۔ ان کے بدلے جانے کے حکم نافذ ہوئے۔ حکم خدا و سنت نبوی پر عمل ہونے کی ہدایتیں جاری ہوئیں۔ مگر یہ بات اب بہت مشکل تھی۔ ظاہری اسلام پلاؤ قورمے اڑا چکا تھا۔ اب اسے حق حلال کے سوکھے ٹکڑوں سے نفرت تھی۔ ہزاروں بزاروں والے اب فقیر ہونا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ چند ہی روز میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اور بنی امیہ کا کید مجسم تاجدار جو امیر شام کے نام سے اُس وقت مشہور تھا حجۃ اللہ کی کھلم کھلا مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔ بدبخت جھوٹے مسلمان فوراً اُس سے جا ملے۔ شدہ شدہ جنگ جمل۔ جنگ صفین اور نہروان نے قبائے اسلام کے متعدد ٹکڑے کر دیئے۔ اور خدا کے سچے خلیفہ۔ رسول کے ناصر حقیقی۔ عابد۔ زاہد۔ روزہ دار امیر المومنین کو انہی مناقشات کی بنا پر ایک دن عین محراب مسجد میں نماز صبح کے وقت ایک شقی ازلی نے زہر آلود تلوار سے شہید کر دیا۔ آہ آہ! ؎

جو وقت معین تھا وہ ٹلنے نہ دیا ؛ تقدیر نے پہلو بھی بدلنے نہ دیا
سحری ہوئی تلوار کے پھل سے شاعر ؛ سجدے میں نمازی کو سنبھلنے نہ دیا

اب حسنین علیہما السلام بے مادر و پدر بھی ہوگئے۔ دل شکستہ۔ دردمند اور بے یار و مددگار بھی۔ رسول اللہ کا گھر بے چراغ ہوگیا اور آل رسول سے مراد حکومت کے معتوب۔ صرف دو بھائی۔ دو بہنیں۔ اور کچھ بچے مظلوم۔ غمزدہ۔ خانہ نشین رہ گئے۔ وقت بڑا۔ زمانہ دشمن۔ سر پر باپ نہ ماں۔ آخر کوفہ چھوڑا۔ اور حسین مظلوم اپنے بڑے بھائی۔ حسن سبز قبا صلوات اللہ علیہ کا ہاتھ تھامے مایوس و دل گرفتہ مدینہ منورہ میں آکر پناہ گزیں ہوئے۔ کہ بزرگوں کا مسکن یہی

تھا۔ موئی مٹی کی نشانیاں یہاں موجود تھیں۔ نانا کی قبر۔ ماں کی گور۔ مسجد نبوی۔ تسکین قلب اور دل کی بھڑاس نکالنے کا اچھا ذریعہ تھے۔ بنی ہاشم کے چند ٹوٹے پھوٹے گھر اپنے کھیل کر بڑے ہونے کی گلیاں وہیں مدینے ہی میں تو تھیں۔ عباس و عقیل رحمہم اللہ اجمعین کے گھرانے کے علاوہ یہی تو وہ وطن تھا جہاں پچھلے وقتوں کی عظمت کرنے والے چند جاں نثار۔ اصحاب رسول اب بھی موجود تھے۔ اس لئے کوفے کی صاجی بگڑتے ہی حسینؑ مظلوم اپنے برادر گرامی امام حسن علیہ التحیۃ والثنا کے اشارے سے یہاں آرہے۔

باپ کی طرح چاہنے والے بھائی کی مفارقت

العظمۃ للہ! اب وہ وقت آگیا تھا کہ دشمنان خدا اور رسول۔ سادات عظام کے خون کے پیاسے۔ اولاد علیؑ اور بنی فاطمہؑ کی پرچھائیں سے جلنے والے چاروں طرف تلواریں کھینچے قتل و غارت کے بہانے ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ بڑے بھائی کو امیر شام کی طرف سے اپنا حق دیدینے کے عوض میں کچھ پنشن ملتی تھی۔ بس اُسی میں یہ لُٹا قافلہ بسر کر رہا تھا۔ اب نہ وہ پہلی سی رجوع خلق۔ نہ وعظ و پند کی مجلسیں۔ نہ حسن منبر نہ خطبے۔ بلکہ دن رات حاکم جابر کا خوف۔ خفیہ سازشوں کا دھڑکا۔ سرکشوں کا زور۔ نافرمانوں کا اژدہام۔ جسے دیکھو عترت اطہار سے بغض۔ جہاں سنو بنی ہاشم کو جڑ بنیاد سے مٹا دینے کے منصوبے۔ چار و ناچار دونوں بھائی بتیس دانتوں میں زبان کی طرح پھونک پھونک کر قدم رکھتے اور امر الٰہی پر صابر و شاکر تھے۔ جو دشمنوں کا ایک اور دار چل گیا۔ یعنی امیر شام کے ایما سے امام دوم کو زہر قاتل پلا دیا گیا۔ اور رسول عربی کے بڑے نواسے حسینؑ امام کے برادر گرامی۔ خلق مجسم۔ راحت جان علیؑ و فاطمہؑ امام حسن علیہ السلام مسموم ہوگئے۔

آہ - آہ! چاہیئے نانا کی وفات کے بعد یہ آخری ہاتھ تھا جو حسینؑ کے سر پر سے اُٹھ گیا۔ امام مظلوم یکہ و تنہا زغہ کفار میں رہ گئے۔ جگر مُنہہ کو آنے لگا۔ سانس نے سینے میں تنگی کی۔ مگر مشیت ایزدی اور حسین سا صابر۔ بجز صبر و شکر کچھ مُنہہ سے نہ کہا۔ مرحوم بھائی کی وصیت تھی کہ مجھے نانا کے پاس دفن کرنے میں اگر کوئی امر مانع ہو تو بھیا تکرار نہ کرنا۔ دست بقبضہ نہ ہونا۔ اور جہاں جگہ ملے غریبوں کی طرح دفن کر دینا۔ چنانچہ حسین نے ایسا ہی کیا۔ جگر سوراخ تھا۔ آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ شیران بنی ہاشم غیظ و غضب میں تھے۔ بھائی کا جنازہ شانوں پر تھا۔ نواسے کو نانا کے پہلو میں جگہ دینے سے انکار ہوا۔ خاموشی سے گردن جھکالی اور دوسرے مقام پر دفنانے کی غرض سے لے چلے۔ رستے بھر جگر گوشۂ رسول کی نعش پر کافر نما مسلمانوں نے تیر بارش کیا۔ حسینؑ کی جبین پر بل نہ آیا۔ خدا کی امانت کو سپرد خاک کیا۔ بیکسی نے آنسو بہائے۔ غربت زار و قطار روتی رہی۔ مگر حسینؑ بغیر تلوار کھینچے تمام ظلم و ستم سہکر سوگ نشین ہوئے۔

شجر ملعونہ کی زہریلی کونپل اور اُس کے اثرات

بس اب کیا تھا پنجتن پاک میں سے آخری گوہر شہوار ایک حسینؑ ہی تو تھے سلسلۃ الذہب کی پانچویں کڑی حسین مظلوم ہی کے دم سے مراد تھی اور اشرار امت کو بس ایک ہی کانٹا تو کھٹکتا تھا جس کی موجودگی سے اُن کے داب شاہی میں تزلزل واقع ہوتا تھا۔ آہ! اب ظالمان امت کی نگاہیں نہایت بیقراری سے انہی معصوم یکہ و تنہا پر پڑنے لگیں۔ ادھر ایک اور انقلاب ہو گیا۔ یعنی بنی امیہ کا وہ بدبخت فتنہ جس نے شام کی گورنری کا پٹہ ہمیشہ کے لئے اپنے نام لکھوا لیا تھا دفعۃً طعمۂ اجل ہوا۔ اور

اُس کی جگہ اُس کا چہیتا فرزند یزید تخت خلافت پر بیٹھا۔ آہ! اِس عالم اسلام میں ایک نئی قیامت برپا ہو گئی۔ جس نے اپنے پائے نجس کو اورنگ سلطنت سے مس کرتے ہی سب سے پہلا یہ حکم دیا کہ "حسینؑ ابن علیؑ کو ہماری بیعت کے لئے راضی کرو۔ ورنہ اُن کا سر کاٹ کر داخل خزانہ ہو"۔

یہ خبر بجلی کی طرح ابن زیاد گورنر کوفہ کی معرفت ولید فرمانروائے مدینہ کے نام کچھ اس عجلت اور تاکید شدید سے پہنچی کہ چاروں طرف سُننے والوں کے دل ہل گئے ساتھ ہی شام و کوفے سے فوجیں مرتب ہونے لگیں۔ اور بنی ہاشم پر چڑھائی کے بندوبست شروع ہو گئے۔ افسوس! کہاں گِنے چُنے خاندان رسالت کے چند نفوس اور کہاں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں دشمنان دین کا اجتماع مدینے میں ایک تلاطم برپا ہو گیا۔ حاکم مدینہ نے پہلے تو خفیہ طور پر امام مظلوم کو بُلا کر یزید پلید کے مافی الضمیر سے آگاہ کیا۔ اپنے طور پر نشیب و فراز بھی سمجھائے مگر جب حجۃ اللہ۔ قرآن ناطق اور اسلام مجسم امام عصر نے یزید جیسے فاسق و فاجر زانی۔ شراب خوار کی بیعت سے قطعی انکار کر دیا تو پھر حکومت کی بھی نیت بدل گئی۔ اور جبراً مارشل لا کی تجویزیں سوچی جانے لگیں۔ یہ دیکھ کر چار و ناچار امام عصر نے خانۂ کعبہ میں پناہ لینے کا قصد کیا۔ اور مع عیال و اطفال اور حرم محترم کے حج بیت اللہ کے قصد سے تن بتقدیر نکل کھڑے ہوئے۔

یزید کے وقت میں اسلام کی شکل

اب تو اسلام کی شکل و صورت بالکل ہی بدل گئی تھی۔ سر دربار مے نوشی ہوتی تھی۔ ناچ رنگ طاؤسان طناز کی صحبتیں علانیہ جاری تھیں۔ بہادران اسلام تُرک بچوں کو بغل میں دبائے خلوت و جلوت کے مزے لوٹتے تھے شراب پیکر نماز پڑھانی بدعت فوری تھی کلمہ گویان رسول کی بہو بیٹیوں

اور ازواج پر دست تصرف دراز ہوتے تھے اور کوئی باز پرس نہ تھی بیت المال لہو و لعب۔ رقص و سرود اور تکلفات شاہی کے لئے کھلے خزانے صرف ہوتا تھا۔ انہیں تبدلات اور تغیر عظیم کو حضور اقدس واعلےٰ نے مدینے سے رخصت ہوتے اور قبر رسول مقبول کو الوداع کہتے وقت گویا زبان حال سے اس طرح ادا کیا تھا ؎

کہتے تھے السلام علیک ای رسول پاک
ہر چند اس فراق سی ہوتا ہی سینہ چاک
جاتا ہوں کھینچتی ہی مجھے کربلا کی خاک
کیا عرض میں کروں مرا قصہ ہی دردناک
نانا ہمارے خوں میں نہانے کا وقت ہی
اسلام ڈوبتا ہے بچانے کا وقت ہی

ایماں کی شکل عدل کی صورت بدل گئی
پھیلا ہی کفر دین کی حالت بدل گئی
تعلیم وہ نہیں وہ ہدایت بدل گئی
ایسا نہو کہیں کہ شریعت بدل گئی
جاتا ہوں اب کہ وعدہ طفلی وفا کروں
مجھسے دیکھا جائیگا نانا میں کیا کروں

افسوس ہی کہ فتنہ و شر کا ہوا جواز
گوشہ نشین ہوگئے جتنے تھے پاکباز
فسق و فجور میں ہی عراق و ریے و حجاز
ظالم شراب پیکے پڑھانے لگے نماز
مطلق نہیں تمیز حلال و حرام کی
توہین ہو رہی ہی خدا کے کلام کی

کچ بحث ہیں کجی کے سوا مانتے نہیں
احکام کردگار کو یہ جانتے نہیں
دامن بغیر خون کے گردانتے نہیں
ایمان کسکو کہتے ہیں پہچانتے نہیں
آئین مشروع مٹ گئے آفت برس گئی
اب بوئے سلطنت ہی دماغوں میں بس گئی

ناخوش گئے جہان سے سرور میں چُپ رہا
زخمی ہوئے نماز میں حیدر میں چُپ رہا
دیکھی شکست پہلوئے مادر میں چُپ رہا
مسموم ہوکے مرگئے شبر میں چُپ رہا
صدمے اُٹھائے سب جگر پاش پاش پر
برسائے تیر تک مرے بھائی کی لاش پر

بعد آپ کے یہ ہمپہ ہوا ظلم کا وفور
بوذر کو ننگے اونٹ پہ بھیجا وطن سے دور
ورثے تمام چھین لئے جبر سے حضور
پیٹے گئے ہیں کوڑوں سے عمار بے قصور
خالق کا احترام دلوں سے مٹا دیا
قرآن کو ردی کی طرح سے جلا دیا

جاتا ہوں اب نہیں یہاں رہنے کا یہ مقام
اسلام کو بچایئے۔ ادرکنی یا امام
کوفے سے آرہے ہیں پیاپے ہی پیام
ورنہ بروز حشر کہیں گے یہ کلام
پروا نہ کی ذرا بھی ترے نور عین نے
یا سیدی ہمیں نہ بچایا حسینؑ نے

بنابرایں واقعات۔ اے بندگان خدا۔ اے امت محمدؐ۔ اب انصاف ہے تمہارے ہاتھ۔ خدالگتی کہنا۔ اسلام کی وہ حالت جو اوپر بیان ہوئی اور عین اسی وقت ایک مولود غیر صحیح۔ تارک الصلوٰۃ اور دائم الخمر۔ جس کا کلمہ پڑھے جس پر درود بھیجے۔ اسی کے نواسے سے اپنی بیعت چاہے۔ پھر حسین مظلوم اپنی جان نہ دیتے تو کیا کرتے۔ آہ۔ آہ! اس حکیم بے نظیر نے سمجھ لیا تھا کہ میری ایسی مظلومانہ۔ بیکسانہ قربانی سے حق و باطل کی بیّن تمیز ہوجائے گی۔ اور عالم اسباب کی انسانی ہستیوں میں ایک ریوولیشن (انقلاب عظیم) ہوجائیگا جو تا قیام قیامت قائم رہیگا۔ لاواللہ اگر حسینؑ اُس وقت یزید سے بیعت کرلیتے اور اپنی جان بچاکر حقیقی اسلام سے دست بردار ہوجاتے

تو اسلام کی یہ صورت نہ ہوتی جو ہم آج دیکھتے ہیں۔ کشتیٔ اسلام اُسی وقت ڈوب گئی ہوتی۔ حکمِ خدا۔ شریعتِ محمدی اور سنتِ رسول وہی قرار پاتی جو حاکمِ وقت کا ر دیتا تھا۔ اور دنیائے اسلام تمام رہزن۔ خونی۔ فاسق و فاجر۔ زانی اور شرابخواروں سے مراد ہوتی۔ لیکن حسین جیسے اشجع الناس نے ایسا نہیں کیا۔ یزید کے مراعات پر تف کیا۔ مالِ دنیا پر لات ماری اور بیعت سے انکار کر کے مدینے سے خانہ کعبہ تشریف لے گئے۔ مگر جب وہاں بھی امن کی صورت نہ دیکھی تو حج کو عمرہ سے بدل کر عین موسمِ گرما میں عراق کا سفر کیا اور آخر اپنے پاؤں سے اپنی مشہور و معروف خوابگاہ میں پہنچکر بہتر ۷۲ قربانیاں راہِ خدا میں نذر کیں۔ اور اس طرح اُس وحدہٗ لاشریک خدا کے دین اور اپنے نانا کی امت پر احسانِ عظیم فرمایا۔ روحی لک الفدا ابابی انت و اُمّی یا اباعبد اللہ علیہ السّلام۔

ابنائے ماسلف کا صبر حسینؑ مظلوم کے صبر سے کیا نسبت رکھتا ہے؟

ہاں واقعات تو ایسا ہی بتاتے ہیں کہ تمام عالم کے مظلومین کا صبر سرکار سیدالشہدا کے صبر کا پاسنگ بھی نہیں۔ سب سے پہلا ظلم شیطان علیہ اللعن نے جناب آدم علیہ السّلام پہ کیا۔ یعنی انہیں جنت سے باہر پھکوا دیا جسکے فراق میں آپ سینکڑوں برس دشتِ جبل میں گریاں و نالاں رہے۔ جناب حوّا آپ سے جُدا ہو گئیں اور سالہا سال کی گریہ وزاری کے بعد آپ کی توبہ قبول ہوئی جس کا بڑا سبب فتلقّٰی آدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ ترجمہ پھر سیکھے اپنے رب سے آدم نے چند کلمے

توبہ قبول کرلی اُس کی۔ سبب ہے جن کے

خود باری تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ یہ صبر تھا جناب آدمؑ علےٰ نبینا کا۔ آپکے
بعد آدم ثانی جناب نوحؑ علےٰ نبینا ہیں۔ آپ بھی اپنی قوم سے بیزار ہوکر صدہا
سال اُن پر عذاب الٰہی نازل ہونے کی دعائیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عذاب
نازل ہوا۔ طوفان عظیم نے کرۂ ارض کو گھیر لیا۔ اور نوح نجی اللہ ظالموں کے
ظلم سے تنگ آکر اپنی کشتی میں جا بیٹھے اور کفار سب غرق ہو گئے۔ پھر جناب
جرجیسؑ طرح طرح کے عذاب سے بیجان کئے گئے۔ جناب یونسؑ اور جناب زکریاؑ
نے درخت اور مچھلی کے جوف میں صبر کیا۔ جناب ایوبؑ کے جسم شریف کو
کیڑوں نے کھایا مگر جب ان کی زوجۂ محترمہ کے بالوں کی ایک لٹ قصاب
کے ہاتھ بکی تو آپ ضرور بیتاب ہو گئے۔ اور خدا سے فریاد کی کہ بارالٰہا بس
اس سے زیادہ میں صبر نہیں کر سکتا۔ جناب یعقوبؑ فراق جناب یوسفؑ
میں چالیس سال سے زیادہ روئے یہاں تک کہ بینائی زائل ہو گئی باوصفیکہ
یوسفؑ سے علاوہ آپ کے گیارہ بیٹے اور تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ یوسفؑ
زندہ ہیں۔ اُن کے بعد جناب موسےٰ کا بار بار قوم کے ہاتھوں سے نالاں اور
پریشان ہونا اور آل فرعون کا غرق ہونا واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون
سے ظاہر ہے۔ البتہ جناب یحییٰ کے قتل میں مظلوم کربلا سے مشابہ ہونے کی
کچھ جھلکیاں ضرور ہیں۔ پھر جناب عیسےٰ علیہ السلام نے نردبان صلیب سے
آخر چوتھے آسمان تک رسائی پیدا کی۔ اور بس۔ یہ تھا صبر اور انتہائے صبر
اولوالعزم ترین انبیائے ماسلف کا مگر برخلاف اس کے زبور کے مقدس
بوسے۔ ارمیا پیغمبر کے مقتل فرات اور قرآن محکم کے ذبیح عظیم سرکار سید الشہدا
سیدنا ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کا واقعۂ شہادت اور آپ کا صبر۔

سب سے عجیب سب سے نرالا اور کروڑوں جانیں نثار کرنے والا واقعہ ہی اور سچ یہ ہے جس کا مثل و نظیر ازل سے ابد تک نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ چنانچہ خود آیہ کریمہ ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع الخ اس پر گواہ عادل ہے۔ اب آنکھیں کھول کے دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ آیہ ابتلا کے مجوزہ امتحان میں خوف۔ بھوک۔ نقص اموال۔ جانوں کا اتلاف اور پھلوں کا نقصان ہر صنف درجہ بدرجہ کس طرح قرار دی گئی ہے اور جناب امام حسین علیہ السلام نے ہر شق کو کس صراحت کے ساتھ پورا کیا ہے۔ آہ! اے دل خون ہو جا اے آنکھوں اپنی پتلیوں کو رو رو کر بہا دو۔ اے جگر سوراخ ہو جا۔ آہ۔ آہ جب بھی ممکن نہیں کہ صرف ایک یوم عاشورہ ہی کے حقیقی واقعات قلمبند ہو سکیں۔ بہر حال کوشش کیجاتی ہے اگر بار ور ہو اور ایک پتھریلا دل بھی مظلوم کا طرفدار ہو جائے۔ آؤ کلمہ گویان رسول آؤ۔ محبت بھری آنکھ سے دیکھو۔ چشم انصاف سے مطالعہ کرو۔ وہ ایک طرف عرب کی جلتی دھوپ پر ایک بلند خیمہ استادہ ہے جس کے گرد خندق کھدی ہوئی ہے۔ اُس میں آگ روشن ہے اور شعلے بھڑک رہے ہیں۔ تم سمجھے یہ کس کا مسکن ہے؟ یہ تمہارے سید۔ تمہارے آقا۔ مولائے کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کا سراپردہ عصمت ہے۔ بھلا اس میں کون کون ہیں؟ کیونکر کہوں آہ۔ اس میں رسول زادیاں۔ علیؑ کی بیٹیاں۔ فاطمہ زہرا کی پارہ جگر۔ مخدرات عصمت حسین امام کی بہنیں۔ بیٹیاں۔ بہویں اور ازواج ننھے ننھے بچوں کو گود میں لئے بھوکی پیاسی گریہ کناں ہیں۔ مسلمانو! آج تیسرا دن ہے جو آل رسول اس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ دن کی دھوپ اور رات کی اوس انپر پڑتی ہے۔ بھوک پیاس سے چہرے متغیر ہو گئے ہیں معصوم بچے گودوں

ہیں تڑپ رہے ہیں اور ایک قطرہ پانی کا غریبوں کو میسر نہیں۔ ننھی ننھی شہزادیاں اور پھول سے بچے پانی پانی پکار رہے ہیں۔ مگر بجائے پانی کے ہوائے گرم اور آگ کے شعلوں کی تمازت کلیجوں کو کباب کئے دیتے ہیں۔ دکھیا ماؤں کے دودھ خشک ہوگئے ہیں۔ نادانوں کے سوال پر آسمان کی طرف دیکھتی ہیں ٹپ ٹپ آنسو بہاتی ہیں اور کلیجے کی آگ کو دبا کر خاموش ہوجاتی ہیں دیکھو! ایک طرف ننھا سا جھولا بھی ہے جس میں ردائے سفید کے نیچے ایک چاند کا ٹکڑا معصوم شیر خوار۔ شدتِ تشنگی سے ہچکیاں لے رہا ہے۔ آپ سمجھے یہ کون معصوم ہے اور وہ کون مخدرہ ہیں؟ یہ حسینؑ مظلوم کا چھ مہینے کا بچہ علی اصغرؑ ہے جو باپ کی مصیبت میں روح کی آخری جنبش تک شریک ہے اور وہ بی بی اُس کی مادر گرامی۔ ایک جانب بالش نہ بستر۔ ایک چمڑے کے ٹکڑے پر ایک نوجوان مریض و ناتوان کبھی حالت غش میں ہیں۔ کبھی تپ شدید سے جسم شریف جل اُٹھتا ہے۔ بار بار کروٹیں لیتے ہیں۔ پیاس کی شدت سے ہونٹ خشک ہوگئے ہیں۔ رہ رہ کر زبان ہونٹوں پر پھراتے ہیں اور شکر خدا کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے چوتھے امام امام مظلوم کے خلف اکبر جناب سید سجاد بیمار کربلا ہیں۔ ایک اور ننھی سی بچی ہیں۔ تین یا چار برس کی جان۔ انتہائے پیاس سے بیتاب۔ کانوں کے گوشوارے مضطرب۔ ایک جلیل القدر معظمہ کا ہاتھ پکڑے سراپردہ عصمت کے قریب مچل رہی ہیں۔ بار بار یہی ارشاد ہوتا ہے۔ پھپھی اماں العطش! العطش! اچھی پھپھی اماں میرے بابا جان کو بلا دیجئے۔ یا فضہ سے کہئے چچا عباس کو ذرا پکار دیں۔ میرا کلیجہ شدت تشنگی سے کباب ہوا جاتا ہے۔ آہ۔ آہ۔ یہ معصومہ حسین کی لاڈلی بیٹی جناب سکینہ ہیں۔ اور وہ معظمہ جن سے استغاثے ہو رہے ہیں ان کا نام لینے کی زبان قلم کو قدرت نہیں

اے پڑھنے والے اگر تو ذرا بھی شعور رکھتا ہے تو سیاق عبارت سے سمجھ لے مجھ معاف رکھ۔ آہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں۔ اسی عالم میں چند جاں نثار خون میں ڈوبے ہوئے۔ شاداں و فرحاں ایک چھوٹا سا مشکیزہ پانی سے لبریز لاتے ہیں اور یہ آواز دیتے ہیں کہ اے نازپروردگان بنی فاطمہؑ یہ لیجیے پانی حاضر ہے۔ ہماری خدمت قبول ہو۔ یہ بزرگوار بریر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے قبیلے کے کچھ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اپنی کامیابی کی خوشی میں جلد سے جلد بھرا ہوا مشکیزہ خیمہ کے سراپردے میں پھینکدیتے ہیں۔ اور نعرۂ تکبیر بلند ہوتا ہے۔ ادھر پیاسوں کا دوڑ دوڑ کر درخیمہ پر ہجوم ہوتا ہے۔ ناسمجھ بچّے کوزے لے لے کر دوڑتے ہیں۔ مشک کا دہانہ بیقاعدگی سے جلد جلد کھولا جاتا ہے اور ایک پر ایک سبقت کرنے سے فی الفور وہ پانی جو جاں نثاران حسینؑ بے حد شمشیر زنی کے بعد سات لاکھ فوج کے نرغے میں سے جان جھونک کر لائے تھے کمزور اور ناسمجھ ہاتھوں کے اضطراب سے ضائع ہو جاتا ہے۔ فقط تھوڑی سی زمین تر ہو جاتی ہے اور جگر کباب بچّے اُس پر اپنے سینے رکھ رکھ کر بیہوش ہو جاتے ہیں۔ صاحبان نظر۔ یہ مختصر سی حالت خاندان رسالت کے بھوکے پیاسے بچّوں اور غمزدہ مخدرات کی تھی اُدھر باہر میدان جنگ ہے۔ کوفے اور شام کی فوجوں سے میلوں صحرائے کربلا پٹا پڑا ہے۔ فرات کی لہریں اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں یزید علیہ اللعن کے کمانڈر انچیف عمر سعد لعین اور اس کے حواریین شمر ذی الجوشن۔ سنان ابن انس۔ نوفل وارزق شامی وغیرہ ملاعین لعن اللہ علیہم اجمعین کا حصہ ہیں جو اس کے گرد و پیش سیاہ پھریرے ول کے سایہ میں آرام کے سانس لے رہے ہیں۔ ہزارہا کماندار۔ صدہا شمشیر زن اور ہزارہا

نیزہ باز ہیں جو آلات حرب سے آراستہ۔ گھوڑوں پر سوار۔ آب و غذا سے آسودہ۔ فرزند رسول کے قتل پر آمادہ ہیں۔ ان میں سینکڑوں حافظ قرآن پابند صوم و صلوٰۃ اور تہجد گذار بھی ہیں۔ جو قرآن گردنوں میں حمائل کیئے مجسم اسلام کو مٹانے آئے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا دین ہے اور کیا دینداری۔ غرض عاشورے کا سارا دن اسی خونریزی اور جور و ستم میں گذرتا ہے۔ اور قریب ظہر مہمان کربلا کی وہ گنی چنی فوج۔ بھوکے پیاسوں کا وہ مختصر سا گروہ جس میں اٹھارہ بنی ہاشم اور چون۵۴ انصار تھے سب کے سب باری باری سے فائز بہ شہادت ہوجاتے ہیں۔ اور وہ وقت آتا ہے کہ دنیائے اسلام کا وہ بے نظیر بہادر خدائے عزاسمہ کا وہ محبوب ترین مجاہد ایک ہزار نوسو پچاس ۱۹۵۰ زخموں سے چور چور تین دن کا بھوکا پیاسا بالکل یکہ و تنہا رہجاتا ہے۔ بابی انت وامی یاغریب نینوا۔ اس وقت حجت آخری کے لئے امام عصر استادہ ہوتے ہیں۔ نہایت حسرت و یاس سے اپنے دہنے بائیں دیکھتے ہیں۔ پیارے انصار ازلی سرفروشوں کی لاشیں ماہ بنی ہاشم جیسے قوت بازو بھائی۔ عباس علمدار کی ٹکڑے ٹکڑے میت۔ چار گیسوؤں والے جوان کڑیل بیٹے ہمشکل نبی علی اکبر کی نعش سجا بجا ریت پر خون آشام نظر آتی ہیں۔ دنیا آنکھوں میں تاریک ہوجاتی ہے اور دل سے ایک آہ جگر خراش کھینچکر بے اختیار نعرہ فرماتے ہیں۔ اَیُّهَا الْقَوْمُ اَنَا سِبْطُ الْمُصْطَفٰی وَعَطْشَانٌ تَرْحَمُه (میں فرزند رسول ہوں اور پیاسا ہوں) هَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا آیا کوئی ایسا ہے جو میری مدد کرے۔ آیا کوئی ہاتھ اس وقت ایسا ہے جو فرزند رسول۔ آیت اللہ حجت خدا۔ سید بیکس۔ مظلوم۔ بھوکے۔ پیاسے۔ ہمہ تن زخم زخم کی مدد کرے۔ آہ آہ۔ بیشک عالم ظاہر خاموش نظر آتا ہے۔ مگر عالم باطن میں تلاطم پیدا ہوجاتا ہے۔ دریائے فرات

جوش میں آتا ہے۔ مچھلیاں گردنیں نکال نکال کر اپنے سر موجوں سے ٹکراتی ہیں۔ صحرا میں ہوائیں تند و تیز چلنے لگتی ہیں۔ فضائے آسمان پر وحش و طیور اُمنڈ آتے ہیں۔ جن و ملک تختہ زمین اُلٹ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ انبیا و اوصیا کی روحیں بیقرار و مضطرب ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ کشتگان رضائے الٰہی یعنی شہیدان کربلا خاک پر تڑپنے لگتے ہیں۔ اُدھر خیام عترت رسول میں ایک قیامت خیز کہرام برپا ہوتا ہے۔ بیمار کربلا غش سے چونک پڑتے اور بے اختیار بستر سے اُٹھکر لبّیک لبّیک یا ابن رسول اللہ کہتے ہوئے خادم سے نیزہ طلب کرتے ہیں۔ معصوم مجاہد جناب علی اصغر باپ کے استغاثے پر بیقرار ہو کر اپنے آپ کو گہوارے سے گرا دیتے ہیں۔ سیدانیوں میں ایک کہرام بپا ہوتا ہے اور مخدرات عصمت دوڑ دوڑ کر اپنے موزے چڑھا لیتی ہیں۔ سروں پر چادر پیچ باندھے جاتے ہیں اور ستون خیام اور چوبیں لیکر حکم آخر کی تیاری کرتی ہیں کہ دفعتہً آفتاب امامت خون میں ڈوبا ہوا۔ ناف تک زخموں سے چور۔ تیروں سے مثل مشبک۔ قبا جسم تار تار۔ دستار کے پیچ کٹے ہوئے۔ آستین سے خون ٹپکتا قریب خیام تشریف لاتے ہیں اور آواز دیتے ہیں یا اہلبیت رسول۔ لاؤ میرے پارۂ جگر کو میں اُسے وداع کروں۔ آہ آہ۔ اے پڑھنے والے ایمان سے کہنا انسانی ہستیوں میں سے کون ایسا شیر مرد ہے جو اپنے جگر کے ٹکڑے کو راہ خدا میں قربان کرنے کے لئے اس استقلال اور ہمت سے مانگتا ہو۔ کہاں ہیں صاحب اولاد ذرا اپنے جگر تھامیں اور انصاف سے کہیں اگر کسی کے بچے کی اُنگلی میں ذرا سی پھانس لگتی ہے تو وہ کس قدر بیچین ہو جاتا ہے۔ فقط بچے کے رونے کی آواز ہی دلوں کو تہ و بالا کر دیتی ہے۔ مگر دیکھو حسین علیہ السلام جیسے صابر کو۔ آپ قریب سراپردہ تشریف لاتے ہیں جناب

علی اصغر کو دُکھیا ماں کی گود سے لیکر کلیجے سے لگاتے ہیں اس کے سوکھے ہوئے ہونٹوں کو بوسہ دیتے ہیں اور عبا کا سایہ کئے ہوئے نہایت ثبات قدم سے فوج اشقیا کے سامنے پھر جا کھڑے ہوتے ہیں۔ اب کی دفعہ تمام فوج کی نظریں نہایت بے چینی سے حسینؑ پر پڑ رہی ہیں۔ اور سب کے سب حیران ہیں کہ دفعۃً حجۃ اللہ روحی لہ الفدا اُس جگر کے ٹکڑے کو ضعف سے کانپتے ہوئے ہاتھوں پر بلند کرتے ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے "اے قوم اگر تیرے زعم باطل میں میں گنہگار ہوں تو خیر مجھے پانی نہ پلاؤ مگر دیکھو۔ یہ طفل شیرخوار۔ یہ میرا معصوم بچّہ۔ بے زبان بغیر پانی کے ہلاک ہوا جاتا ہے۔ آیا ہو سکتا ہے کہ چند قطرے پانی کے اس کے نازنین حلق میں ٹپکا دو"۔ کہا جاتا ہے کہ حسینؑ مظلوم کے اس سوال پر پتّھر پانی ہو گئے۔ اور اکثر شقی القلب گردنیں جُھکا جُھکا کر آنسو بہانے لگے۔ مگر عمر سعد لعین ازل فی الفور حرملہ کو پکارا اقطع کلام الحسینؑ۔ آہ۔ آہ۔ اے آسمان تو کیوں نہ پھٹ پڑا۔ اے زمین تو اُسی وقت کیوں نہ منقلب ہو گئی۔ آہ! اسکے جواب میں حرملہ بن کاہل الاسدی شقی ترین مردم علیہ اللعن و العذاب نے ایک ایسا تیر سہ شُعبہ حلق نازدانہ امام پر مارا کہ بچّہ تڑپ کر خون اُگلنے لگا۔ روح روضۂ رضوان کو سدھاری اور حسینؑ کا بازو شکستہ ہو گیا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ہائے ہائے قربان اُس نفس مطمئنہ کے صدقے اُس مقدس باپ کے جگر کے جس نے اسی وقت ایک ہاتھ زیر زخم رکھا معصوم کے خون سے چُلّو بھر کر آسمان کی طرف پھینکا اور نہایت صمیم قلب سے فرمایا اللّٰھُمَّ ھون علی ما نزل بی (ترجمہ) خداوندا یہ سب رنج و آزار تیری راہ میں آسان ہیں۔

نعرۂ تکبیر گو تا قیام قیامت قائم کرنیوالے
کی
آخری نماز تلواروں کی چھاؤں میں

کہاں ہے اہل فارس کا رستم دستاں جو پیلتن ہونے کی شہرت رکھتا تھا اور سہراب کے ایک وار کو نہ اٹھا سکا۔ کہاں ہے اسفندیار جیسا روئیں تن جو رستم کے ایک تیر سے اندھا ہو گیا۔ کہاں ہے رچرڈ دی لائین۔ ایلفرڈ دی گریٹ اور اسکے سیکسن اور نارمن نائٹس۔ کدھر ہے نپولین اعظم جسکے کارناموں کی دھاک آج تک زمین فرانس کو بلند کئے ہے۔ یہ لوگ بہادران عالم میں شمار ہوتے ہیں۔ آج اگر وہ نہیں تو میں انکی خاک کے ذرات کو مقابلہ کے لئے پکارتا ہوں۔ کدھر ہیں ارجن اور بھیشم پتا جیسے رن بیر کہاں ہیں بہادر راجپوتوں کے بانکے تلوریئے۔ کدھر ہے لائن آف پلونا جو ابلے ہوئے چمڑے کا عرق پیکر پیٹ کی آگ کو بجھا سکا۔ آئیں آئیں یہ سب کے سب آئیں اور دکھائیں کہ ان میں سے کبھی کسی ایک نے بھی صرف ۲۴ گھنٹہ کی بھوک پیاس کا مقابلہ کیا ہے۔ کبھی کسی میدان میں ہمہ تن زخمی۔ بیکس و بے یار۔ بے سامان و بیراق دو گھنٹے بھی لڑے ہیں۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ آج تک جنگی سپاہی علائق دنیوی سے آزاد ہوتے ہیں۔ بیفکری سے سیروں گوشت۔ منوں شراب۔ چائے بسکٹ مکھن توس اڑاتے ہیں جب جا کر پندرہ سیر کی بندوق کندھے پر رکھتے ہیں۔ زرہ۔ بکتر۔ چار آئینہ۔ گولی بارود اور کیل کانٹے سے لیس ہو کر دشمن کے سامنے جاتے ہیں۔ پانی

کی صراحیاں کمر سے لگی ہوئی ہیں۔ گوشت کے تجھ طرح طرح کے پھل قیوروں میں ہوتے ہیں۔ اور جہاں ضرورت پڑتی ہے فوراً آسودہ ہوجاتے ہیں۔ مگر نہیں نہیں انکے مقابلہ میں ایک ساٹھ گھنٹے کے بھوکے پیاسے کی جنگ پیش کرتا ہوں۔ آؤ صداقت کی آنکھ سے دیکھو۔ بہادری اسکو کہتے ہیں۔ خلقی شجاع اس کا نام ہے۔ دین خدا کی حمایت بزرگوں کی شان کا پاس۔ قول کی پابندی اور حق پر جان دیدینا اس بجا لاثانی کا کام ہے۔ یہ کون۔ یہ اسلام کا سچا جاں نثار۔ خدا کا محبوب۔ نازنین بندہ محمد رسول اللہ کا زبان چشیدہ۔ دو عالموں کا فرزند۔ دو چاندوں کا ستارہ۔ پورے ساٹھ گھنٹے کا بھوکا پیاسا۔ صدہا زخموں سے شگافتہ۔ حسین مظلوم یکہ و تنہا۔ لاکھوں آسودہ حال دشمنوں سے کن تیوروں سے جنگ کر رہا ہے۔ کہ دشمن تک داد دیے رہے ہیں۔ جس صف پر گرتا ہے پرے کے پرے صاف جس غول میں حملہ آور ہوا دیوار سی گر پڑتی ہیں اور ارحم ارحم یا ابن رسول اللہ کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ ادھر غیور رحم مجسم امام۔ ہاتھ روک لیتے ہیں۔ اُدھر مکار۔ بیدین۔ دو کافروں کا فرزند عمر سعد امیر فوج شام۔ بیتابانہ فریاد کرتا ہے "اے نامردان قوم حیف ہے تم پر۔ تم ایک تن تنہا کے مقابلے سے بھاگے جاتے ہو۔ تم ایک تشنہ و گرسنہ۔ پیر شکستہ کمر کی تاب مقابلہ نہیں رکھتے ارے بے حیاؤ۔ گھیر لو اس بلاکش کو چاروں طرف سے۔ ارے بدبختو! یہ فرزند ہے قتال عرب کا۔ یہ فرزند ہے اس ہزبر بیشۂ شجاعت کا جس نے جنگ بدر و حنین میں تمہارے بزرگوں کا نام و نشان مٹا دیا۔" آہ آہ۔ یہ کلمات اُن ملاعین کو پھر یکجان ہو کر۔ غریب بیکس۔ الکھتر داغ اُٹھائے ہوئے بھوکے پیاسے پر حملہ کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں اور وہ سیلاب کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ناگاہ دو تیر سہ پہلو پیشانی اقدس اور سینہ بے کینہ پر ایسے لگتے ہیں کہ زخمی ہاتھ اُنہیں نکال بھی نہیں سکتے۔ حسین تلوار تول کر پھر بڑھنا چاہتے ہیں جو سنان ابن انس لعین اس زور سے ایک نیزہ امام تشنہ لب کے

سینہ پر مارتا ہے کہ پائے اقدس رکاب سے نکل جاتے ہیں اور حضور زمین پر تشریف لاتے ہیں۔ پہلوؤں میں صدہا تیر پیوست ہیں جو مظلوم کو سنبھلنے نہیں دیتے۔ خولی ملعون نے جو زہر آلود تلوار سر پر ماری ہے اُس سے ایک خون کی چادر گر رہی ہے اور مولائے کونین بند آنکھیں کئے ضعف و نقاہت سے جھوم رہے ہیں۔ آہ آہ! لب خشک۔ زبان میں کانٹے۔ سانس رُک رُک کر آتا ہے۔ آہ اس وقت کون ایسا مرد باخدا ہوگا جو بجز جزع و فزع اور کرب کے کسی اور طرف متوجہ ہو سکیگا مگر نہیں قربان ہو جائیں ہم اور ہمارے ماں باپ اُس نفس مطمئنہ پر۔ پھر ایک دفعہ آنکھ کھولی۔ آفتاب زوال کا وقت گذر چکا تھا اس لئے وہ عاشق خدا۔ راضی برضا اقیموا الصلوٰۃ کا پابند بمشکل خاک پر دوزانو ہوا۔ زخمی اور کانپتے ہاتھوں سے تیمّم کیا اور نماز عصر کے لئے اُسی حال زار سے معبود حقیقی کے روبرو حاضر ہوگیا صلوات بر محمدؐ و آل محمدؐ۔ اِدھر تو حسینؑ نے دوسری رکعت ختم کر کے سجدۂ شکر ادا کرنا چاہا۔ زخمی پیشانی جلتی ریت پر رکھی۔ قرار نہ آیا۔ دہنا رخسار بدلا وہ بھی خون آلود تھا۔ لاچار بائیں رخسار کو پیش کیا۔ آہ آہ۔ وہ بھی گرم خاک سے چسپاں ہوگیا۔ اور بے اختیار زبان سے نکلا شکراً شکراً۔ شکراً۔ شکراً۔ شکراً۔ شکراً۔ اُدھر شمر لعین ولد الحرام۔ سگ ابلق موزے چڑھائے خنجر بکف نمازی کے سرہانے پہنچ گیا۔ اور وہ عمل اس سے ظہور میں آیا جس سے آفتاب کو گہن لگا۔ زمین متزلزل ہوئی۔ ملائکہ آسمان بیقرار ہوگئے اور سیدہ کے دودھ کی دھاریں کربلا کی خاک پر بہنے لگیں الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

فدیۂ اسلام کی بہتر ۷۲ قربانیوں کا مجملاً ذکر

جل جلالہ! دنیا میں اگر کسی کا ایک جوان فرزند یا دو چار اولادیں قضائے الٰہی

سے اُتر جاتی ہیں تو سارا کنبہ۔ سارا محلہ۔ اہل شہر اور سُننے والا اُس سے ہمدردی کرتا ہے کہ افسوس فلاں کا گھر خالی ہو گیا۔ فلاں نے بڑا سخت امتحان دیا کہ خاندان کا خاندان بے چراغ ہو گیا۔ مگر افسوس خاندان رسالت جن کے گھر میں قرآن اُترا۔ جن کے حرم محترم میں دین الٰہی کے صحیفے نازل ہوئے۔ جنکی چوکھٹ پر ملائکہ آسمان جبیں سائی کرتے تھے۔ دین خدا کے بانی۔ کلمہ گویان رسول کے خوزادے جسنے اکھتر داغ اُٹھائے اور صبح سے شام تک ہر مقتول کی نعش کو میدان سے گنج شہیداں میں لالا کر لٹایا اُس کا ذکر تک مسلمانوں میں ممنوع ہے۔ اور اُن مظلوموں پر رونا رُلانا۔ اُنکی یادگاریں تعزیہ اور شبیہیں اُٹھانی۔ علم ماتم بلند کرنے بدعت سے تعبیر کیے جاتے ہیں باوجودیکہ ایک ایک پتھر۔ ایک ایک لکڑی۔ ایک ایک قبر کو مقدس مانا جاتا ہے۔ عُرس ہوتے ہیں۔ ڈھول ڈھمامے بجتے ہیں۔ دیگیں کھڑکتی ہیں۔ پگڑیاں اور دستاریں تقسیم ہوتی ہیں۔ مُردہ پرستوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے مگر وہ کوئی بدعت نہیں۔ ان سے مرادیں مانگنا ان کے آگے جزع و فزع کرنا۔ انکے نام جپ کر مُراقبے میں بیٹھنا۔ اک امر مستحسن و مقبول ہے۔ استغفراللہ من ذٰلک۔

مظلوم کے جاں نثار

تمام و کمال اکھتر تھے جن میں انصار کی تعداد زیادہ تھی۔ یہ وہ دیندار تھے جنہوں نے فرزند رسول کی نصرت کے لئے گھربار۔ زن و فرزند اور تمام علائق دنیوی کو چھوڑ کر محض خوشنودی خدا و رسول حاصل کی۔ اور حق بات یہ ہے کہ ایسے انصار نہ رسول اللہ نے پائے نہ علی مرتضٰے اور حسن مجتبٰے کو ملے رحمہم اللہ اجمعین۔ آیا کہیں بھی دنیا میں اس واقعہ کی نظیر ہے کہ آقا نماز پڑھ رہا ہے۔ دشمن تیر باراں کر رہے ہیں۔ وہ جاں نثار

آقا کے سامنے سپر ہوکر استادہ ہیں جسقدر تیر آتے ہیں بڑھ بڑھ کر اپنے سینوں پر لیتے ہیں اور آقا کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ایک گرتا ہے تو دوسرا اُسکی جگہ لے لیتا ہے اور مرتے مرتے جو اپنی آخری تمنا ظاہر کرتا ہی وہ یہی کہ یہ میرا مولا جو میرے سرہانے کھڑا ہی اسکی مدد کرنا اور بس انکی بعد اٹھارہ بنی ہاشم تھے جنکا مثل و نظیر مادر گیتی نے جنا ہی نہیں۔ اللہ اللہ۔ خاندان عقیل تو سب کا سب تباہ ہی ہوگیا۔ شہید اول۔ مسلم بن عقیل اور انکے چھوٹے چھوٹے چار صاحبزادے۔ غمزدہ بہن کی کمائی حضرت زینب کے دونوں صغیر سن لال۔ عونؑ و محمدؑ جن کے بوٹا سے قد رکب تک بھی نہیں پہنچتے تھے۔ چھوٹے سرکار یعنی پیارے ماموں جناب عباس علیہ السلام نے گود میں اٹھا کر سوار کیا اور فوجوں کے دل بادل میں تلواریں مار کر ٹکڑے ہوگئے۔ جناب قاسمؑ ابن حسن علیہ السلام۔ آہ۔ یہ موئی مٹی کی نشانی باپ کے برابر بڑے بھائی کی نشانی تھے۔ بیوہ بھاوج نے دولھا بنا کر چچا پر قربان ہونے کے لئے باہر بھیجدیا۔ جناب علی اکبر کے گرد پھرے۔ چچا کے قدم چومے۔ عقاب کو ٹھکرایا۔ ارزق شامی جیسے نامی پہلوان کو قتل کیا اور شہادت پائی۔ انکے بعد مظلوم حسینؑ کے قوت بازو۔ ماہ بنی ہاشم۔ علیؑ کے شیر۔ مردان کارزار کی جان۔ اُنتیس ۲۹ برس کے ساتھی۔ جناب عباس علمدار کی رخصت تھی۔ آہ آہ! کہاں سے دل لاؤں جو اس شیر نرینہ کی نصرت کا ذکر کروں۔ کونسا جگر آئے جو اس سوتیلے بھائی کی غلاموں کی سی خدمت اور محبت کا حوالہ دیا جائے۔ آہ آہ۔ بس حسینؑ کو کوئی عباسؑ کی آنکھوں سے دیکھے اور عباس کو کوئی حسینؑ سا آقا ہو تو جان سکتا ہے۔ نظر بہ یار و دوست بکار کے اگر کچھ معنی ہیں تو وہ یہی کہ عباسؑ رات بھر خیمہ حرم کے گرد طلایہ بھی پھر رہے ہیں اور اپنے سگے بھائیوں کو آقا پر فدا ہونے کی ہدایتیں بھی کر رہے ہیں۔ عباس دشمنوں میں تلواریں بھی مار رہے ہیں اور پیاسوں کے لئے کنوئیں بھی کھود رہے ہیں۔ عباس آقا کی غربت پر روتے بھی

جاتے ہیں اور حسینؑ پر نظر بھی ہے کہ کس وقت کیا حکم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ علم
رسول لیکر میدان میں جاتے ہیں اور اس طرح جنگ کرتے ہیں جس طرح
جنگ احد میں علیؑ نے اپنے بھائی کی نصرت کی تھی بلکہ لا واللہ۔ علیؑ اُس لڑائی
میں بھوکے نہیں تھے۔ علیؑ تین دن کے پیاسے نہیں تھے۔ علیؑ کے ہاتھ نہیں
قطع ہوئے۔ علیؑ کے گرز نہیں مارا گیا۔ علیؑ کی آنکھ میں کبھی تیر سہ پہلو نہیں ترازو
ہوا۔ علیؑ نے کبھی مشک نہیں اُٹھائی۔ علیؑ نے مشک کا تسمہ دانتوں میں تھا مگر
کبھی گھوڑے کو اس طرح مہمیز نہیں کیا جس طرح شیر شکار کو منھ میں لیکر
لبیاں لیتا ہے۔ آہ آہ۔ لاکھوں سے ایک تن تنہا کی جنگ آخر کہاں تک عباس
زخم زخم ہو کر گھوڑے سے گرتے ہیں۔ مگر رسول کا علم سینے پر ہوتا ہے جس قدر
شہدا تھے وقت شہادت سب نے آقا کو آواز دی حسینؑ سب کے سرہانے
شہادت سے پہلے پہنچے مگر عباسؑ نے وقت آخر بھی اپنے آقا کو زحمت نہیں
دی۔ علم جب سرنگوں ہوا۔ کفار نے جب طبل شادمانی بجائے۔ اُس وقت
جناب علی اکبرؑ سید مظلوم کو لیکر چچا کی لاش پر گئے ہیں۔ ورنہ عباسؑ نے اپنی
نصرت کے لیے حسینؑ کو آواز بھی نہیں دی۔ روحی لہ الفدا۔ میں اور
میرے ماں باپ ہزار بار فدا ہوں تجھپر اے علیؑ کے شیر۔ یا جناب عباس علیہ السلام
واسطہ جناب سکینہ کی پیاس کا۔ میدان حشر میں اس روسیاہ غلام کو نہ بھولئے گا
اور اپنے باپ کے علم کے سایہ میں لے لیجیئے گا۔ بابی انت و امی۔ آہ۔ آہ! اب شہادت
جناب علی اکبرؑ کی باری تھی۔ راوی لکھتا ہے جب حسینؑ کا یہ نوجوان فرزند اٹھارہ
برس کا کڑیل جوان۔ ہمشکل پیغمبر عازم جہاد ہوا ہے تو حسینؑ سے صابر نے آسمان
کی طرف سر اُٹھا کر فرمایا اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ
غُلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقًا وَّ خُلُقًا وَّ مَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ (ترجمہ) خدایا

گواہ رہنا تو اس قوم کے ظلم پر اب جاتا ہے انکی طرف وہ شخص جو شبیہ ترین مردم ہے سیرت و صورت و گفتار میں۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے۔ خدایا ان کافروں نے پہلے ہمیں بلایا کہ ہم تمہاری نصرت کرینگے اور جب ہم آئے تو ہمارے ہی قتل پر کمر باندھی۔ یہ فرماکر رخصت کیا امام نے اپنے فرزند کو راہ خدا میں جنگ کرنے کے لئے۔ پس تشریف لے گئے جناب علیؑ اکبر اور رجز پڑھا کہ میں ہوں علیؑ اکبر فرزند حسین ابن علی۔ قسم بخانہ کعبہ ہم ہیں سزاوار اور محق تر رسول خدا سے قرابت میں۔ واللہ ہم محکوم ان اشقیا کے نہونگے۔ اور یزید علیہ اللعن کی بیعت نہ کرینگے۔ واللہ میں مارونگا تمہارے سینوں میں یہ نیزہ اپنا یہاں تک کہ یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ یہ ارشاد فرماکر جناب علیؑ اکبر نے ایسی جنگ مردانہ کی کہ ایک سو دس کافر فی النار ہوئے۔ اور آخر منقذ ابن مرہ لعین لعنۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ ان کے بعد شہید آخر وہ چھ مہینے کے معصوم جناب علی اصغر تھے جن کی شہادت کے بعد نہ امام مظلوم کو اچھی طرح دکھائی دیتا تھا نہ ہاتھ پاؤں کام دیتے تھے۔ آہ آہ! خدا نہ دکھائے کسی باپ کو یہ حال۔ جو حسین علیہ السلام نے پے بہ پے دیکھا۔ اور پھر صبر فرمایا یہاں تک کہ خود فائز بہ شہادت ہوئے۔ اور اپنے نانا کے دین کو خاک و خون میں غلطاں ہو کر بچا لیا۔

قول فیصل

اے کلمۂ طیبہ کے شریک بھائیو! دنیا اور دنیا کے تمام لوازمات اور سارے تعلقات گذشتنی اور گذاشتنی ہیں۔ کوئی یہاں ہمیشہ رہا ہے نہ کوئی رہیگا۔ بھائیو! سامنے کی بات ہے ایک موٹی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے جب

ہمارے آقا ہمارے مولا سید المرسلین محبوب رب العالمین باعث کون و مکاں قاسم نار و جناں حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفےٰ صلےٰ اللہ علیہ و آلہ وسلم اس جہان میں ہمیشہ نہ رہے تو کیا ہم جیسی ناپاک ہستیاں۔ ہم جیسے ظالم۔ جاہل۔ خود غرض۔ متعصب مجسم اس دار فانی میں دائم زندہ رہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ہر رات بستر غم ہے۔ کروڑہا نفوس کا۔ اور ہر آفتاب کی کرنیں صد ہا زندگیوں کو صاف کر کے پھینک دیتی ہیں۔ بلکہ ہر لمحہ ہر ثانیہ بہت سے سانس منقطع کرتا ہے اور بہت سے چراغوں کی بتیاں اُکسا بھی جاتا ہے۔ اس لئے بندہ وہی بندہ ہے جو مرنے سے پہلے اپنی ہستی کو پہچانے۔ اپنی پیدائش کی غرض کا محاسبہ کرے۔ اپنے فرائض اور اپنے آقا کے حقوق کی راستی اور حقیقت کے ساتھ نگرانی کرے تاکہ اُسکا انجام بخیر ہو۔ روتا آئے اور ہنستا جائے۔ کس قدر فخر و مباہات کا مقام ہے کہ خدائے عز اسمہ نے ہمیں اشرف المخلوقات بنا کر اپنے برگزیدہ دین میں اُٹھایا۔ اپنے حبیب پاک کی شریعت ہم پر وار دکی طرۂ دستار مذاہب۔ یعنی قائمہ توحید کے سائے میں ہم نے آنکھیں کھولیں۔ اور لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کہتے ہوئے ہم سینکڑوں سے ہزاروں اور ہزاروں سے لاکھوں ہو گئے۔ اور بحمد اللہ تا قیام قیامت۔ اگر مشیت ایزدی شامل حال ہے تو بڑھتے ہی چلے جائینگے۔ مگر آپس میں اختلاف اور تفریق کی بھی حد نہیں۔ ایک دوسرے کو دیکھکر جلتا ہے اور ایک خدا۔ ایک رسول۔ ایک قبلہ۔ ایک کتاب والے کسی طرح آپس میں مل جُل کر نہیں بیٹھتے۔ یہ کس قدر بد نصیبی اور انتہائے نکبت و ادبار ہے۔ کبھی تو سوچو کبھی تو غور کرو۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے۔ اسکا سبب کیا ہے۔ کچھ اپنے ذاتی فائدے کے لئے نہیں۔ کچھ خاص ایک فرقے کے نفع کیلئے یہ تفریق دست و گریباں نہیں بلکہ غیروں کے لئے محض اغیار

کے واسطے امّتِ رسول آپس میں کٹی مرتی ہے۔ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو وفات پائے ۱۳۰۰ برس سے زائد کا زمانہ ہوا مگر ہر وقت ہر عہد اور ہر حکومت میں منافقین نے محض اپنے دین آبائی محض اپنی قلبی اور میراث در میراث پہنچنے والی عداوتوں سے کبھی قوم کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہونے نہیں دیا۔ قربِ قیامت ہوتا جاتا ہے۔ آثار پیدا ہیں۔ زمین وآسمان بہت پُرانے ہوگئے۔ نیچر بدلنے لگا۔ موسم کچھ سے کچھ ہوگئے۔ خدا کے واسطے۔ نبی اُمّی کے واسطے۔ اپنے نفسوں کے لئے۔ اب تو تم بھی بدلو۔ ہٹ دھرمی نا انصافی اور ظلم وتاریکیاں محض جہالت کا نتیجہ ہیں۔ تمہارا زمانہ ایسا نہیں۔ تم اپنے سلف سے زیادہ روشنی میں ہو۔ اپنے آپ کو عاقل۔ فرزانہ بال کی کھال نکالنے والا اور ہر امر میں تحقیق اور اصلیت کو جانچنے والا کہتے ہو۔ کمال افسوس ہے کہ آسمان پر اُڑنے کا وقت تو آگیا اور ابھی تک تمہیں اپنے پس پا کی بھی خبر نہیں۔ لکیر کے فقیر قبروں میں جا سوئے۔ ظالموں کی خاک بھی باقی نہیں۔ مگر مظلوموں کے خون کے دھبے اب تک پکار رہے ہیں کہ ہم بے گناہ ذبح کئے گئے۔ ہم زندۂ جاوید ہیں۔ ہم صراطِ مستقیم پر مٹ گئے۔ ہم کو خدا کی طرف سے رزق پہنچتا ہے۔ آؤ آؤ ہمارے نقش قدم پر چلو اور ہمیں وہ ذریعۂ نجات ہیں جسکو تم اندھوں کی طرح ڈھونڈھ رہے ہو۔ بھائیو! فرق صرف اتنا ہے کہ تم خدا کے بعد رسول تک پہنچتے ہو اور ان کے بعد ہر کس و ناکس۔ جاہل۔ بے سواد۔ مجبر و مفسد کو اپنا امام۔ اپنا ہادی اور اپنا پیشرو راہ مانے ہوئے ہو اور ہم خدا جلّ شانہ۔ اس کے رسول برحق۔ اس کے بتائے ہوئے ہادیان امّت خاندان رسالت اور انکی معصوم ذریات کو اپنا آقا مولا اور نجات دہندہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس میں اختلاف

نفرت اور لڑائی جھگڑے کی کوئی بات نہیں۔ ہمارے دعوے کے لئے
عقلی اور نقلی صدہا بلکہ کروڑہا دلائل آج تک تمہارے سامنے پیش
ہوچکیں۔ مگر ایک کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ ایک چھوٹی سی دلیل ہم بھی لاتے
ہیں۔ ایک معمولی سی عقل والا بچّہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ فی زمانہ علوم مغربی
کی دھاک ہے۔ یہاں تک کہ ایک سوئی بنانے کی ضرورت بھی ہو تو یورپین
اُستاد سے جاکر سیکھتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ اُس چیز کے بنانے کے وہ
اُستاد ہیں۔ اُن کے گھر۔ اُن کے کارخانے۔ اُن کی درسگاہیں اُس علم
کے لئے مختص ہیں۔ رجسٹر کیا کھپ گیا مگر جو چاقو یا چھری خریدی جائیگی
اُس پر راجس لکھا ہوتا اطمینان قلب کی مُہر ہے۔ ہنکس کا نشان بھی ہیں
مگر اب بھی جو لیمپ اُس پُرانے کارخانہ کا ملتا ہے اُس پر تکمیل اور کارآمد
ہونے کا بھروسہ ہوتا ہے۔ دلّی میں الف خانی روشنائی ایک عمر سے
مشہور ہے۔ دور دور ملک ملک جاتی ہے۔ الف بے ختم ہوگئی۔ کارخانہ
درہم و برہم ہوگیا۔ بیسیوں نقال پیدا ہوگئے۔ مگر اب بھی جس بنڈل پر
الف خانی روشنائی کا مارکہ ہوتا ہے گاہک اُسی کو ڈھونڈتا آتا ہے۔ نتیجہ
یہ ہے کہ موجد کے نام سے ایجاد کی قدر ہوتی ہے۔ مداحان آل امجاد۔ خدا
کی خاص صنعتیں۔ ودیعت ایزدی کی بہترین مثال انیس و دبیر لکھنؤ میں
پیدا ہوئے۔ وہیں دونوں بزرگواروں نے انتقال فرمایا۔ اُنہوں نے
اقلیم سخن میں ڈنکے بجا دئے۔ آج صدہا دل انہیں کا اعتراف
کرتے ہیں۔ اُن کے خاندان کا بچّہ بچّہ وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔
کہنے والے اُن سے بہتر اور برتر اب بھی موجود ہیں۔ مگر جگر کے ٹکڑے
اُنہیں کی تلوار کا لوہا مانے ہوئے ہیں۔ آخر اس کا کیا علاج۔ بھائیو!

خدا کے انتخاب۔ خدا کی مرضی اور اُس مالک کُل کی دین ہے۔ اُسکی طاقت کے آگے سب ہیچ ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ اُسی نے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ساری کائنات بنائی۔ اپنے پیارے نبی کو تمام انبیا پر فضیلت دی۔ اُس کے خاندان اور آل پر درود بھیجنا ہر نمازمیں واجب فرمایا۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک جماعت لا الٰہ الا اللہ کہو اور محمد رسول اللہ اور علی ولی اللہ نہ کہے آگے چل کر جس کی لاٹھی اُس کی بھینس ہو جائے۔ سمجھو تو سہی۔ خدا کی ایک ہی رسّی ہے۔ دو لڑیوں سے بٹی ہوئی ہے۔ ثقلین میں سے ایک ثقل کو کاٹے ڈالتے ہو۔ پھر کس طرح انجام بخیر ہو سکتا ہے۔ لاتفرقوا کا ارشاد بار بار ہوتا ہے۔ اور تم بکھرے جاتے ہو۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ صریحاً قرآن میں ارشاد باری تعالےٰ موجود ہے۔ یعنی اے رسول ہمارے تو کہدے کہ میں تم سے کوئی اجر کوئی صلہ اپنا نہیں چاہتا۔ مگر صرف یہ کہ اقربا سے مودت کرو۔ اب سمجھنا چاہئے کہ اقربا معاذ اللہ خدائے تعالےٰ کے تو کوئی ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ جسم وجان سے منزہ ہے۔ لم یلد ولم یولد اُس کی شان ہے۔ پھر کس کے عزیز قریب ہوئے۔ کیا قوم کے۔ جن کے لئے ہدایت بھیجی۔ بھلا اُن کی محبت سے خدا کی کیا خوشنودی ہو سکتی۔ ان کو تو ہر شخص آپ سے آپ ہی چاہتا ہے۔ اپنا بیٹا بیٹی تو شہنشاہ وقت کو بھی زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ پھر خدائے تعالےٰ کو اُن کے پیار کرنے کی ہدایت کرنے سے کیا فائدہ؟ لامحالہ۔ رسولؐ ہی کے قریب۔ رسولؐ ہی کے فرزند۔ رسولؐ ہی کی آل سے مودت کا حکم ہے۔

بلکہ اس میں ایک اور بھی باریک نکتہ ہے۔ جو سطحی نظر سے دیکھنے والوں کو نہیں نظر آسکتا محبت سب سے بڑی چیز ہے مگر مودت کا درجہ اُس سے بھی کہیں بلند ہے۔ یعنی خدائے تعالےٰ ہم کو آل رسول کے ساتھ محبت سے بھی تجاوز کر کے مودت کا حکم دیتا ہے۔ یعنی اے مسلمانو تم آل رسولؐ پر قربان ہو جاؤ۔ مِٹ جاؤ۔ اور بس یہی صلہ ہے رسول کی رسالت کا۔

افسوس صد افسوس! ہم اپنے بکے اُن کے ہاتھ کہ اور اُلٹا اُن کو اپنی بیعت کے لئے مجبور کیا۔ امت محمدی نے ایسی مودت کی رسولؐ اور رسولؐ زادوں کے ساتھ کہ جہاں تک ہو سکا ان پاک نفوس کو مٹا ہی کر چھوڑا۔ رسولؐ کے فرزندوں کو تیر سے۔ تلواروں سے۔ زہر سے۔ مکر سے۔ کید سے۔ جبر سے۔ ظلم سے۔ غرض ہر طرح ہر زمانے میں نہایت بیدردی سے قتل کیا۔ اور آج تک اُن مظلوموں کی یادگار یعنی ہر سال عشرۂ محرم پر صدہا حرف گیریاں ہوتی ہیں۔ غریب بیکس سادات کے مصائب اور فضائل کے ذکر جن مجالس میں ہوتے ہیں اُن میں شریک ہونے اور بیٹھنے اُٹھنے سے عورتیں نکاح سے باہر ہو جاتی ہیں۔ ان کی نشانیاں، تعزیہ اور علم مضحکہ اور اصراف بیجا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مظلوموں کے حال پر رونا یا رُلانا سخت بدعت کہا جاتا ہے۔ جسکو دیکھو یہی کہتا ہے۔ صاحب ہم آل رسول کے دوستدار اور اصحاب کبار کے یار غار۔ ہم دل سے اُن کے حال پر روتے ہیں بھلا ظاہری دکھاوے کی ماتم داری کس کام کی۔ ہم بڑی حیرت میں ہیں۔ ہم نے کسی کو آج تک دل سے روتا نہیں دیکھا۔ جب اپنے زخم لگتا ہے۔ جب اپنا بیٹا بیٹی مرجاتا ہے تو وہ دوہتڑ مارتے ہیں وہ بھائیں بھائیں کرتے ہیں کہ سارا محلہ سر پر اُٹھا لیتے ہیں۔ اُس وقت دل سے رونا کبھی بھی نہیں آتا۔

بابا سارا زمانہ جانتا ہے گلی گلی یہ مثل مشہور ہے۔ اوّل خویش بعد میں درویش یہاں اُلٹی گنگا بہتی ہے۔ بیٹا بیٹی کچھ نہیں یہ سُسرے سالے۔ سب کچھ۔ لا حول ولا قوۃ۔ یارو! عزیزو۔ یار غار حشر کے روز کام نہ آئینگے۔ قبر کی فکر کرو قبر کی۔ میدان حشر کا خیال کرو میدان حشر کا۔ جہاں نہ کسی کی سعی چلے گی نہ سفارش۔ نہ کسی کی مدد کام آئیگی نہ بھائی چارہ۔ سرکار حسینی کے غم کو نہ روکو شہید ان راہ خدا کی یادگار کو نہ ڈلکو۔ یہ خدائی قانون ہے۔ یہ خدائی عملدرآمد ہے۔ کیا کچھ نہ ہوا۔ کیا کچھ نہ کیا۔ مگر حسینؑ کا ماتم ہر سال روز افزوں ہوتا گیا۔ اور انشاءاللہ ہوتا چلا جائیگا۔ یہاں تک کہ حجت خدا ظہور فرمائیں۔ اور منکرین کا جڑ پیڑ سے قلع قمع کر دیں۔ وحدہ لاشریک کا ایک دین قاف سے تا قاف ہوگا اس وقت ساری قلعی کھل جائے گی۔

رباعی

تخصیص نہیں پیر و جواں بھی جائے
موٗمن کو ثواب ہی جہاں بھی جائے
بتخانے میں ہوتا ہو اگر ذکر حسینؑ
لازم ہے کہ سر کے بل وہاں بھی جائے